شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ

قدس اللّٰہ سِرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

جولائی 2016ء / شوال المکرّم 1437ھ جلد نمبر 8، شمارہ نمبر 7 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے - تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

فہرست مضامین

- خوشی اور مسرت کا دن
- رمضان المبارک کا ثمر
- منتشر اور منقسم معاشرے کا المیہ
- ذیلی نظام چلانے والے فرشتوں (ملاءِ سافل) کا کردار
- نظم وضبط اور تربیتی نظام
- بجٹ 2016ء - 2017ء
- مشرق وسطیٰ کی بدلتی ہوئی صورتِ حال
- مجالس؛ افاداتِ علم وحکمت
- پہلی عید الفطر فتح بدر اور رمضان کے اختتام کا جشن مسرت
- عید الفطر طاغوتی قوتوں کے خلاف مزاحمتی شعور کی بیداری ہے
- عید الفطر میں غریبوں کو اپنی خوشیوں میں شریک کریں
- عید الفطر غلبہ دین کا اعلان ہے
- کم ہمت اور کم محنت بچے لکھنے سے کتراتے ہیں
- حضرت عمرؓ کے ایفائے عہد کا مثالی واقعہ
- حضرت مولانا شاہ عبدالقادر دہلویؒ
- صدقہ فطر اور عید الفطر کے احکام ومسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا کہ:

''کسی قوم کا اپنی غلطی پر اصرار کرنا، یعنی اس کو صحیح کہنے کی عادت بنا لینا' بڑا خطرناک مرض ہے، جو مسلمانوں سے نہیں گیا۔ حال آں کہ آج کل ہر بیدار قوم کا شیوہ ہے کہ جہاں ٹکر (ٹھوکر) لگتی ہے اور نقصان پہنچتا ہے تو وہ فوراً سوچنے کے لیے کمیشن بٹھاتی ہے کہ یہاں کیا غلطی ہوئی اور غلطی کو ماننا ہی بہتر سمجھتی ہے۔ مگر ہم ہیں کہ دُور اَز کار تاویل پر تاویل کرتے چلے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ نقصان در نقصان کی شکل میں نکلتا ہے۔

یہ غلطیوں کی تاویل کرنا اور انھیں نہ ماننا کوئی قابل فخر بات نہیں، تباہ کن عادت ہے، جسے ہم چھوڑتے نہیں۔''

(مجلس: 28 رمضان المبارک 1368ھ/ 25 جولائی 1949ء۔ بروز: سوموار۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 404۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

RAHIMIA INSTITUTE OF QURANIC SCIENCES (TRUST) LAHORE

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئنز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0533**

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

عیدالفطر؛ خوشی اور مسرت کا دن

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ (2:185)

(اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دُشواری، اور اس واسطے کہ تم (رمضان المبارک کے) دنوں کی گنتی پوری کرو اور تا کہ (تم عیدالفطر کے دن) اللہ کی بڑائی کرو اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تا کہ تم احسان مانو۔)

دنیا بھر کے ہر مذہب وملت نے سال کے مختلف دنوں کو قومی و مذہبی خوشی و مسرت کے اظہار کے لیے چن لیا ہے۔ چوں کہ ہر مذہب وملت کا نقطہ نظر یکساں نہیں، اس لیے ان دنوں کے انتخاب اور تعین میں بھی یکسانی نہیں ہے۔ ان عیدوں اور تہواروں کا مقصدِ اوّل یہ ہے کہ انفرادی اور خاندانی لحاظ سے نہیں، بلکہ اجتماعی اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ سال کے کچھ دن ایسے مقرر کیے جائیں جن میں تمام افراد علاحدہ علاحدہ شخصیتوں کے احوال کا لحاظ کیے بغیر خوشی اور مسرت کا عام اظہار کرسکیں۔ اور اس طرح قومی اور ملّی وحدت کا سماں مجسم ہوکر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب کسی دن میں کوئی ایسا تاریخی واقعہ کسی قوم یا ملت میں پیش آئے، جس کو یاد رکھنا اپنی قومی وملی زندگی کے لیے ضروری ہوتا ہے تو اس دن کو یومِ عید، چھٹی اور جشن اور تہوار کا دن مان لیا جاتا ہے، تا کہ سال بہ سال اس کی یاد تازہ رہے۔

یہودیوں کی اکثر عیدیں خوشی کی بجائے غم کے دن ہیں اور ان کی حیثیت کفارہ کی ہے، جس طرح مہینے کا ہر ساتواں دن ان کا سبت تھا، اسی طرح سال کا ساتواں مہینہ ان کی یادگار کفارہ کا سال تھا۔ اس کی مختلف تاریخوں میں وہ روزے رکھتے تھے۔ اپنے کو غم زدہ بناتے اور قربانی جلاتے تھے۔ اور پھر سات دن تک خوشی مناتے تھے۔ یہ روزے اور یہ غم اور خوشی کے مظہر سب کے سب سرزمین مصر میں سے نجات کی یادگاریں تھیں۔ جیسا کہ تورات کے سِفرِ اَحبار کے (ب ۲۳ آیت ۴۳، ۴۴) میں اس عید کے تمام مراسم اور احکام کی تفصیل کے بعد آخر میں درج ہے:

"تا کہ تمھاری نسل درنسل جانیں کہ جب میں بنی اسرائیل کو زمین مصر سے نکال لایا تو میں خیموں میں آیا اور کہا: میں خداوند تمھارا خدا ہوں۔"

اسلام نے خوشی اور مسرت کے لیے کسی تغیر فلکی اور موسمی یا فتح یا ہجرت کا دن مقرر نہیں کیا، بلکہ ان سے اپنی ملت کی خوشی و مسرت کے لیے وہ دن مقرر کیا جو اس کی خیر و برکت اور نزولِ وحی کے مہینہ رمضان کے ختم کے بعد آیا۔ یہ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن لوگوں کے لیے ہجرت اور حق و باطل کی تفریق کی دلیل بن کر اتارا گیا۔ (چناں چہ غزوۂ بدر میں حق و باطل کی تفریق ہونے اور رمضان المبارک کے روزوں کی تکمیل پر خوشی اور مسرت کا دن عیدالفطر مقرر کیا گیا۔) (تفسیر المقام المحمود، ص: 45-344)

درسِ حدیث

از مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

رمضان المبارک کا ثمر

عن أنس بن مالكؓ، قال: قال رسول الله ﷺ: "فَإِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ، يَعْنِيْ يَوْمُ فِطْرِهِمْ الخ." (شعب الإيمان للبيهقي، ج:8، ص:231)

(حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "جب مسلمانوں کی عیدالفطر کا دن ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کے اجتماع کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اے میرے فرشتو! اُس محنت کش کی کیا جزا ہے، جس نے اپنا عمل پورا کرلیا؟ فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے ربّ! اُس کی جزا یہ ہے کہ اُس کو پورا پورا بدلہ دے دیا جائے۔")

یہ ایک طویل حدیثِ مبارک ہے، جو رمضان کے روزوں اور دیگر عبادات پر عید کے روز اللہ کی طرف سے مغفرت کے انعام کو بیان کر رہی ہے۔ یہ انعام ان کے لیے ہے جن کی عبادت قبول ہوکر اپنے مقصد کو پا گئی۔ روزے کا مقصد قرآن نے تقویٰ کی خُو پیدا ہونا بتایا ہے۔ تقوے کے دو پہلو ہیں: ایک تعلق مع اللہ دوسرا وہ خُلق جو اللہ کو پسند ہے۔ تعلق مع اللہ سے انسان کا قلب و دماغ، شریعت سے مانوس اور نورانی وجدان کا حامل ہوجاتا ہے، جو اسے شیطان کے اغوا اور نفس کی بے جا پیروی سے بچنے میں مدد دے کر شریعت کی پابندی کا جذبہ عشق پیدا کرتا ہے۔ تقوے کا دوسرا بڑا اثر اس کے خُلق میں ظاہر ہوتا ہے جو اسے ظلم کی ہر صورت کو پہچاننے اور خدا کے سامنے جواب دہی کے احساس کے تحت ہر ظلم سے دور رہنے بلکہ اس کے خلاف برسرِ پیکار ہونے پر آمادہ کرتا ہے۔

تقویٰ کے یہ دونوں اثرات انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین کی زندگیوں میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک رمضان سے اگلے رمضان تک غفلت کا طویل سلسلہ چل نکلتا ہے۔ نہ عبادات کی طرف ضروری دھیان ہوتا ہے اور نہ اَخلاق اور رویوں میں جوہری تبدیلی آتی ہے۔ ہمارے گردوپیش میں ظلم و ناانصافی، جھوٹ، بددیانتی اور خلافِ شرع کا ایک مربوط نظام موجود ہے۔ ہماری زندگی میں دسیوں رمضان گزر گئے مگر ہمارے فکروعمل میں یہ تبدیلی نہیں آئی کہ ہم حقوق اللہ اور حقوق العباد کو توڑنے والے نظام کے خلاف سینہ سپر ہوجائیں۔ نبوت ملنے سے پہلے حضورؐ کی غارِ حرا میں خلوت اور اکثر اوقات روزے کی حالت میں رہنے کا نتیجہ مخلوقِ خدا کو راہِ ہدایت کی طرف لانے اور ان کے مسائل حل کرنے میں نکلا۔ اسی طرح غزوۂ بدر کا رمضان کے اندر واقع ہونا، اس عبادت کے مقاصد کو متعین کرتا ہے کہ حجاز کی وہ ظالم قوت جو غلبہ دین کی راہ میں رکاوٹ تھی، اس کی سرکوبی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں اقدام کیا۔ قبل از اعلانِ نبوت اور رمضان میں حضور ﷺ کا عمل بتاتا ہے کہ عبادت گوشۂ عافیت تلاش کر کے گمنام ہونا نہیں، بلکہ قومی، ملّی اور سماجی ذمہ داریوں کو دوسروں سے بہتر انداز سے انجام دینے کی ذمہ داری کا جذبہ اور شوق پیدا کرنا ہے۔ گزشتہ رمضان اور عید کے بعد کیا ہمارے اندر یہ شوق و جذبہ پیدا ہوا؟ ہم میں سے ہر ایک کو سوچنا اور اس اعلیٰ مقصد کے لیے آج ہی سے کمربستہ ہونا ہے۔

www.rahimia.org

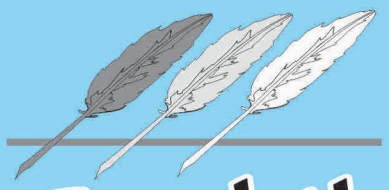

اداریہ

منتشر اور منقسم معاشرے کا المیہ

ماہرین کا خیال ہے کہ اگر کوئی خاندان یا گھرانہ بکھر جائے تو اس کے اس انتشار کے نتیجے میں خاندانی نظام مشکلات اور کٹھن مصائب کا شکار ہو جاتا ہے۔ انتشار اور مشکلات کے شکار خاندانوں اور گھرانوں کے بچے بہت سی ذہنی اور نفسیاتی اُلجھنوں کے شکار ہو کر نامکمل شخصیت رہ جاتے ہیں۔ ایسے ہی اگر کوئی سماج اور معاشرہ منتشر اور بکھرا ہوا ہو تو اس کے افرادِ معاشرہ بھی اس خاندان کے بچوں کی طرح نامکمل شخصیت کا نمونہ ہوتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے کی صورتِ حال بھی کسی بکھرے اور منتشر گھر کی سی ہو رہی ہے۔ ہمارے اربابِ سیاست ہوں یا حکمران طبقے، صاحبِ صحافت ہوں یا اہل مذہب! سب ہی کی عدمِ برداشت کو ہمالیہ کو چھو رہی ہے۔ قومی منظر نامے میں اگر ان طبقات کو دیکھا جائے تو یہ زبان کی شیرینی، گفتگو کے ہنر، برداشت کے حُسن، اَخلاق کی بلندی، کردار کی پختگی اور اختلاف کے سلیقے سے عاری بے جان ڈھانچے محسوس ہوتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں قوم کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہو رہی ہے۔ وہ بات بات پر ایک دوسرے کے ساتھ اُلجھتے ہیں۔ کوئی اپنے رویّے پر معذرت کرنے کو تیار نہیں، کوئی اپنا قصور تسلیم نہیں کرتا اور کوئی اپنے مخالف کو ذرّہ برابر گنجائش دینے کو تیار نہیں ہے۔ ہمارے ٹاک شوز، سیاسی اور مذہبی اجتماعات میں ہونے والی گفتگو، قوم کی اَخلاقی پستی کا بدترین نمونہ ہے۔ ہر فریق اپنے مخالف کو نیچا دکھانے کے لیے ہر سطح پر جانے کو تیار ہے۔ اہل سیاست اپنے مخالفین کو غدار سے کم درجہ دینے کو تیار نہیں۔ اہل صحافت اپنے مخالف گروپ کی سرپرستی کے لیے اسرائیل سے نیچے کسی کو نہیں چنتے اور اہل مذہب اپنے مخالفین میں گستاخ اور مرتد ڈھونڈنے پر اپنے آپ کو خدائی فوج دار مامور کیے بیٹھے ہیں۔

پورا معاشرہ ایک لٹھ بردار انبوہ میں تبدیل ہو چکا ہے اور ہر کوئی اپنے دائرے میں کھڑا ہر سُو سے بے نیاز اپنا اپنا لٹھ چاروں طرف گھمائے جا رہا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ کس کی لاٹھی کس کی آنکھ یا ناک پھوڑے گی۔ ہماری یہ کیفیت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ہم ترقی کی پٹڑی سے اُتر چکے ہیں۔ کیوں کہ جن معاشروں میں ترقی کا عمل رُک جائے، ان کے آپس کے تنازعات شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا اجتماعی شعور، ترقی یافتہ معاشروں اور اَقوام کے اجتماعی شعور سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ ہم سائنس و ٹیکنالوجی میں تو پیچھے تھے ہی، لیکن انسانی اَقدار و روایات میں بھی اپنی پستی کی مثال خود ہی قائم کر چکے ہیں۔

اس خطے کے عظیم سماجی مفکر مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے برطانوی استعمار کے خلاف جدوجہد کے دوران طویل جلاوطنی سے لوٹتے ہوئے 7/ مارچ 1939ء کو کراچی کے ساحل پر اُترنے کے بعد اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے تقریباً 77 سال پہلے معاشرے میں موجود طبقات کا کچھ یوں تجزیہ کیا تھا:

''تمھارے ''علما'' ہیں کہ ان کی نظریں محض پہلے کی لکھی ہوئی کتابوں میں پھنس کر رہ گئی ہیں۔ وہ اپنے گرد و پیش دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اگر کبھی دیکھتے ہیں تو بس ''کتابی نظر'' سے۔ وہ زندگی سے کٹ چکے ہیں۔ اس لیے جن علوم کو وہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، ان علوم میں اس بنا پر نہ تو خود میں کوئی زندگی کی رمق باقی ہے اور نہ وہ علوم پڑھنے اور پڑھانے والوں میں زندگی کی حرارت اور تڑپ پیدا کرتے ہیں۔

تمھارے ''سیاست دان'' بڑی بڑی اسکیمیں بناتے ہیں، لیکن ان کی نظر خاص طبقوں سے آگے نہیں بڑھتی۔ وہ قوم اور وطن کا نام لیتے ہیں۔ مذہب اور کلچر پر زور دیتے ہیں، لیکن ان کی قوم، وطن، مذہب اور کلچر کا تصور یا تو سرے سے موہوم ہے یا اُن کا اطلاق ایک خاص طبقے کے اغراض و مصالح پر ہوتا ہے۔ یہ لوگ صرف اپنے آپ کی طرف دیکھتے ہیں اور دل ہی دل میں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ زمانہ ان کے اشاروں پر سدا حرکت کرتا رہے گا اور لوگ ہمیشہ ہمیشہ ان کی طرف ہی تکتے رہیں گے۔

قوم کے ''متوسط طبقے'' ہیں کہ وہ روزمرہ کی مادی ضرورتوں اور رَسمی مذہب کے چند معمولات کے سِوا۔ جن سے انھیں تھوڑا بہت اطمینان مل جاتا ہے — کسی اَور چیز سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔

باقی رہے ''عوام''! قوم کا غالب حصہ قوم کے جسم کے ہاتھ اور پاؤں، ان کو تم نے ''العوام کالأنعام'' (عوام جانوروں کی طرح ہوتے ہیں۔) کہہ کر صدیوں سے چارپایوں (جانوروں) کے درجے پر رکھ چھوڑا ہے۔ تم نے اپنی ایک محدود دُنیا بنا رکھی ہے۔ اس دنیا میں تم شاداں و فرحاں ہو اور کسی طبقے، قوم اور فکر اور خیال کو خاطر میں نہیں لاتے۔ تمھیں ساون کے اندھے کی طرح خیر سے اپنے اہل قلم ''مجددین'' اور ''اصحابِ امر'' کے طفیل ہر طرف خزاں میں بھی ہَرا یاوَل (سبزہ) ہی ہَرا یاوَل نظر آتی ہے۔''

کم و بیش آج بھی امام سندھیؒ کا تجزیہ مبنی برحق ہے اور جس بات کی طرف پون صدی قبل توجہ دلائی گئی کہ اربابِ مذہب و سیاست اپنے اپنے بند دائروں سے نکل کر انقلابی نقطہ نظر اپنائیں اور نظر انداز شدہ عوام کے مسائل حل کرنے کی طرف توجہ دیں اور حالات کے مطابق ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں۔ جس سے آج بھی مذکورہ بالا طبقات مجرمانہ غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس قدر گہرے زوال کے نتیجے میں قوم پستی کی جس گہری کھائی میں گر چکی ہے، اس کے لیے بنیادی کام کی طرف توجہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے مفکرِ انقلاب حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کو، جنھوں نے مشکلات سے گھرے اس ماحول سے نکلنے کے لیے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے انقلابی فکر و عمل اور نظریے پر تعلیم و تربیت کا ایک مستقل نظام قائم فرمایا، جس کے تحت پورا سال بالعموم اور رمضان المبارک میں بالخصوص نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے سائے کو صحت و سلامتی کے ساتھ اہل سلسلہ کے سروں پر قائم رکھے، کہ ان کے دم سے مشائخ رائے پور کے فیوض و برکات سے تمام اہل سلسلہ فیض یاب ہو رہے ہیں اور ولی اللّٰہی فکر و نظریہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتے ہوئے انسانیت کی ترقی اور سماج کی تشکیلِ نو کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔ (مدیر)

www.ahlehaq.org

ذیلی نظام چلانے والے فرشتوں (ملاءِ سافل) کا کردار

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

{حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت ہیں۔ انھوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں بلند پایہ افکارِ عالیہ قلم بند کیے۔ یوں دوسرے ہجری ہزارے میں دینِ حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اللہ کی حجت و برہان کو بڑے واضح دلائل کے ساتھ بیان فرمایا۔ اُن کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ نئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ نیز شریعت و طریقت کی رہنمائی پر مبنی جامع تعلیمات پر مبنی ہیں۔ مترجم}

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّة اللّٰه البالغه'' میں تحریر فرماتے ہیں:

(ملاءِ سافل) ''ملاءِ اعلیٰ کے نچلے درجے میں ایسے نفوس (ملاءِ سافل کے فرشتے) ہوتے ہیں، جن کی پیدائش (عناصر Elements) کے لطیف ذرّات کے امتزاجی تعامل (Chemical Mixer) میں پیدا ہونے والے اعتدال سے ہوتی ہے۔ یہ فرشتے اعلیٰ درجے کے نورانی فرشتوں کے مرتبے کو پہنچے ہوئے نہیں ہوتے۔

ان فرشتوں کا کمال صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے اوپر سے آنے والے علم اور حکم کے انتظار میں رہتے ہیں۔ جیسے ہی اوپر سے کوئی حکم ان پر نازل ہوتا ہے تو ان میں سے ہر ایک اپنی استعداد اور قابلیت اور اپنے کام کرنے کی صلاحیت کے مطابق سپرد شدہ کام میں مشغول ہوجاتا ہے۔ یہ فرشتے اوپر سے آنے والے کاموں کو سرانجام دینے کے لیے اس طرح اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جیسے پرندے اور جانور طبعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے بے چین ہوجاتے ہیں۔ پھر یہ فرشتے نظام کے کل پُرزے بن کر دیے گئے اُمور سرانجام دیتے ہیں۔ یہ اپنے ذاتی نفع نقصان کو سامنے رکھ کر کام نہیں کرتے۔ صرف انھی احکامات پر عمل کرتے ہیں، جن کا اوپر کے فرشتوں کی طرف سے انھیں حکم دیا جاتا ہے۔

(ملاءِ سافل کے فرشتوں کے درجِ ذیل کام ہوتے ہیں:)

1۔ یہ فرشتے انسانوں اور جانوروں کے دلوں میں اپنے اثرات ڈالتے ہیں اور اُن کے ارادوں اور خیالات کو کچھ اس طرح سے تبدیل کرتے ہیں کہ بالائی نظام کے طے شدہ اہداف و مقاصد کے مطابق مطلوبہ نتائج حاصل ہوجائیں۔

2۔ یہ فرشتے بعض (مادی) چیزوں کی طبعی کارکردگی، اُن کی حرکات و سکنات اور تغیرات و تبدلات میں اضافہ کرنے میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر:

(الف) کسی شخص نے (بلند جگہ سے) پتھر لُڑھکایا، اس موقع پر اس فرشتے نے اُس میں ایسی تاثیر پیدا کردی کہ یہ پتھر زمین پر اتنی زیادہ دور تک لُڑھکتا چلا گیا کہ عام طور پر اتنی دور تک اس کا لُڑھکتے چلا جانا تصور میں نہیں آسکتا۔

(ب) یا بسا اوقات کسی شکاری نے (مچھلیاں پکڑنے کے لیے) دریا میں جال ڈالا، اچانک فرشتوں کی ایک فوج مچھلیوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ وہ کسی مچھلی کے دل میں خیال ڈالتی ہے کہ وہ جال میں داخل ہو، جب کہ دوسری مچھلی کے دل میں خیال ڈالتی ہے کہ وہ جال سے بھاگ جائے۔ فرشتوں کی یہ فوج کبھی جال کی کسی ایک رسّی کو سکیڑتی ہے اور کسی دوسری رسّی کو ڈھیلا چھوڑ دیتی ہے۔ فرشتوں کی یہ فوج نہیں جانتی کہ وہ ایسا کیوں کررہی ہے، وہ صرف اپنے سے اوپر کے فرشتوں کے احکامات کے مطابق (روبوٹ کی طرح) حرکت کرتے ہوئے کام کررہے ہوتے ہیں۔

(ج) کسی موقع پر دو جماعتوں میں لڑائی ہوجاتی ہے تو یہ فرشتے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ ایک جماعت کے دلوں میں موقع کی مناسبت سے بہادری اور ثابت قدمی کے خیالات اور جذبات پیدا کرتے ہیں اور غلبے کی تدبیریں اور طریقے سُجھاتے ہیں۔ اُس جماعت کی طرف سے استعمال کیے جانے والے ہتھیاروں کی حرکت کو تیز تر کردیتے ہیں، جب کہ دوسری جماعت کے دلوں میں کمزوری اور بزدلی کے خیالات پیدا کرتے ہیں۔ تاکہ نتیجہ اُس فیصلے کے مطابق ظاہر ہو، جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ کرچکے ہیں۔

(د) بسا اوقات ان فرشتوں پر الہام ہوتا ہے کہ فلاں شخص کو تکلیف پہنچاؤ یا اُسے آرام اور راحت پہنچاؤ۔ چناں چہ یہ فرشتے ہر ممکن راستہ اختیار کر کے اوپر سے دیے گئے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔

(شیطانی قوتوں کا نظام): ملاءِ سافل کے ان فرشتوں کے مقابلے پر ایسی (شیطانی) جماعتیں اپنا وجود رکھتی ہیں، جن کی طبیعتوں میں ہلکا پن، خیالات کا انتشار اور ان کے وجود میں ہمہ وقتی بے چینی بھری ہوتی ہے۔ ان بدروحوں کے جسم (عناصر کے) تاریک اور بدبودار ذرّات کی سڑانڈ سے وجود میں آتے ہیں۔ انھیں ''شیاطین'' کہا جاتا ہے۔

(یہ شیطانی قوتیں درجِ ذیل کام کرتی ہیں:)

1۔ وہ ایسے خیالات و افکار رکھتے ہیں، جو انسانی بھلائی سے قطعاً متصادم ہیں۔

2۔ ملاءِ سافل کے فرشتے (انسانی بھلائی کے) جو کام سرانجام دیتے ہیں، یہ شیاطین ہمیشہ انھیں بگاڑنے میں لگے رہتے ہیں۔ واللہ اعلم! (اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔)''

(حُجّة اللّٰه البالغه، جلداوّل، باب ذکر الملاء الأعلیٰ)

مترجم عرض کرتا ہے کہ: حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب ''لمحات'' میں فرشتوں کے بالائی اور ذیلی نظام پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس کتاب میں لفظ ''مَلَک'' کی حقیقت و ماہیت اور اس لفظ کے مختلف اطلاقات کا تعین کرتے ہوئے مَلَکی شخصیات اور قوتوں کی وضاحت کی ہے۔ نیز ملاءِ اعلیٰ اور ملاءِ سافل کے ملائکہ کی سات اقسام بتلائی ہیں۔ پھر ہر قسم کے فرشتوں کی تعریف، حقیقت و ماہیت اور ان کے سپرد شدہ کاموں کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

(دیکھیے! لمحات، ص:60تا68، طبع: شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، سندھ)

نظم وضبط اور تربیتی نظام

ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ، لاہور

نظم وضبط اور ڈسپلن کسی بھی معاشرے کے ماتھے کا جھومر ہوتا ہے۔ قومیں اسی نظم و ضبط اور ڈسپلن کی وجہ سے اپنے وقار میں اضافہ کرتی ہیں۔ قومی ترقی میں نظم وضبط پر مبنی رویّے نہ صرف یہ کہ ایک اساس اور بنیاد کا کام کرتے ہیں، بلکہ ان رویوں کو ترقی کی ایک اہم علامت کا درجہ حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ اقوام کے نظامِ تعلیم وتربیت میں سب سے زیادہ توجہ اسی نظم وضبط پیدا کرنے پر مرکوز رکھی جاتی ہے۔ نظم وضبط اور ڈسپلن سے عاری اقوام نہ صرف یہ کہ قوموں کی برادری میں بے وقار ٹھہرتیں اور بدتہذیب گردانی جاتی ہیں، بلکہ ایسی اقوام کو زوال یافتہ بھی تصور کیا جاتا ہے۔

آج ہم اپنے سماج کا جائزہ لیں تو ہر شعبۂ زندگی انتہائی بدنظمی کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ گلی محلے سے لے کر سڑکوں، بازاروں، ہسپتالوں، تعلیم گاہوں، دفاتر، غرض! ہر جگہ بدنظمی کے مظاہر اس کثرت سے دیکھنے کو ملتے ہیں کہ گمان ہوتا ہے کہ یہ منفی رویے ہمارے قومی مزاج کا حصہ بن چکے ہیں۔ درحقیقت ایک غیر منظّم اور فرسودہ نظام کے زیر اثر ہماری درس گاہیں احساسِ ذمہ داری اور نظم وضبط پر مبنی رویے پیدا کرنے سے قاصر ہیں اور ایک ایسی نسل تخلیق کر رہی ہیں، جو کسی بھی قسم کی سماجی پابندی اور نظم وضبط سے خود کو آزاد تصور کرتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ افراتفری اور نفسانفسی کی صورت میں نکلتا ہے۔ آج ہماری سوسائٹی اسی کیفیت سے دوچار ہے۔

آخر مروّجہ نظامِ تعلیم وتربیت نظم وضبط کے رویے پیدا کرنے میں کامیاب بھی کیسے ہوسکتا ہے! کیوں کہ اس کے لیے تو واضح قومی مقاصد کے تعین کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذاتی اَغراض سے بالاتر ہوکر اجتماعی مقاصد کے تحت زندگی گزارنے کا شعور بیدار کرنا پڑتا ہے اور ایک ایک فرد کو قانون اور ڈسپلن کا پابند بنایا جاتا ہے، مگر نہ تو ہماری اشرافیہ ان اَطوار کی خوگر ہے اور نہ ہی ہمارا نظامِ تعلیم قومی مقاصد کے حصول کے لیے اس طور پر تشکیل دیا گیا ہے۔

اس ضمن میں خانقاہِ رحیمیہ رائے پور کا کردار ہمیشہ مثالی رہا ہے کہ اس نے اس اہم تقاضے کا ادراک کرتے ہوئے اپنے متعلقین ومنسلکین وتبعین میں نظم وضبط پر مبنی مثبت رویوں کو اُجاگر کرنے کی شعوری اور مسلسل کاوش کی ہے۔ مشائخ رائے پور کی زندگی اور طرزِ عمل پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرات خود بھی انتہائی منظّم زندگی گزارتے ہیں اور نوجوانوں میں بھی ان رویوں کو منتقل کرنے کا ایک باقاعدہ نظام تشکیل دیتے ہیں۔ اس تربیتی نظام کے ذریعے نوجوانوں میں نظم وضبط، منظّم اجتماعیت، نیز مربوط اور مستحکم سماج کی ضرورت واہمیت کو اُجاگر کیا جاتا ہے، تاکہ وہ ان ناگزیر سماجی رویوں اور اعلیٰ اَخلاق کو اپناتے ہوئے ایک منظّم اور مربوط سماج کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہوسکیں۔

بجٹ 2016ء - 2017ء

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

انقلابی اقدامات کے لیے انقلابی سوچ، مؤثر ٹیم اور نڈر ہونا ضروری ہے۔ بڑا کام کرنے کے لیے بڑے خطرات کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے اور نتائج کو اپنے حق میں کرنے کے لیے شب و روز بے لوث اور بے پناہ محنت شرط ہے، لیکن ایسی قسمت پاکستانیوں کی کہاں!۔ اس ملک کی معاشی بدحالی کو وہی پارٹی ختم کرسکتی ہے، جو بڑے اور سخت فیصلے کرسکے اور انھیں بروئے کار بھی لاسکے۔ اسی تناظر میں بجٹ بھی پرانی کہانی دُہراتا نظر آتا ہے۔ حکومت نے مقدور بھر کوشش کی کہ کوئی بڑا کام نہ کیا جائے، لیکن پھر بھی کچھ بڑے کام کرنے پڑے۔ زرعی شعبے میں 25 سالہ گراوٹ نے مجبور کردیا کہ وہاں کچھ زیادہ دکھاوا کیا جائے۔ چناں چہ 70 ارب سے 80 ارب روپے کے خرچ کا تعین کردیا گیا۔ جس میں بجلی کی قیمتوں کے علاوہ سب درمیانی تاجر کی جیب میں جائے گا۔ پچھلے سال 341 ارب کا کسان پیکج زرعی شعبے کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تو یہ چھوٹی سی رقم کیا کرے گی۔ پہلے کسان پیکج سیاسی رشوت تھی، جس کی شکل تبدیل کردی گئی ہے۔ پیداوار صرف فنڈ مختص کردینے سے ہی نہیں بڑھ جاتی، بلکہ اس کے لیے زرعی پیداواری علاقوں میں تعلیم وصحت کی سہولتوں کی فراہمی، مؤثر مالیاتی نظام جو کسانوں کے لیے آسان ہو اور آخر میں اعلیٰ ومؤثر عدالتی نظام۔ لیکن یہ سب کرنے کے لیے نعرے اور رشوت کم اور انقلابی اقدامات کی طرف زیادہ توجہ دینی ہوگی۔

اعداد وشمار کو اپنی مرضی سے بدل کر نتائج اخذ کرنا ایسے ہی ہے جیسے نوٹ چھاپ کر خرچ کرنا۔ بجٹ اجلاس میں بجٹ سے زیادہ اہم 261 ارب روپے کی سپلیمنٹری گرانٹ کی پارلیمنٹ سے منظوری تھی، جسے گزشتہ سال بجٹ کی منظوری کے بغیر خرچ کیا گیا۔ جو عموماً حکمران طبقے کی مشہوری اور سہولتوں پر خرچ ہوا۔ مضحکہ خیز امر یہ ہے کہ کسی جمہوریت پسند نے اس ڈاکے کا ذکر تک نہیں کیا۔ اس پر سوال تو دور کی بات ہے، کسی نے تذکرہ تک نہیں کیا۔ اس سال بھی زراعت کے علاوہ مختلف شعبوں میں 330 ارب روپے کے قریب چھوٹ دی جائے گی، جب کہ دوسری طرف 150 ارب روپے کے نئے ٹیکس لگائے جائیں گے۔ اس کے نتیجے میں کُل 36.2 کھرب روپے اکٹھے کرنے کا ہدف طے کیا گیا ہے، جس میں سے غیر پیداواری اخراجات جیسے قرضوں پر سود کی ادائیگی، دفاع اور انتظامیہ پر قریباً 27 کھرب اور ترقیاتی منصوبوں پر 8 کھرب اور ہمیشہ کی طرح تعلیم اور صحت پر 1.8 کھرب خرچ کیا جائے گا۔ گویا پرانی کہانی دہرائی جائے گی۔ ترقیاتی بجٹ میں کٹوتی ہوگی۔ دفاعی وانتظامیہ کے بجٹ میں اضافہ، MNAs کو ترقیاتی فنڈ ملیں گے، تاکہ وہ اپنے الیکشن کا خرچ پورا کرسکیں وغیرہ وغیرہ۔ اور MNAs کی تنخواہوں میں تو پہلے ہی اضافہ کیا جاچکا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب دولت سمیٹنے کی طرف توجہ زیادہ ہوگئی ہے۔ اس میں ایک اَور غور کرنے کی بات ہے کہ بینکوں نے ان سالوں میں باوجود کم شرح سود کے خوب منافع کمایا ہے اور اُن سے سب سے زیادہ قرض لینے والی حکومتِ پاکستان ہے۔ ان بینکوں کا منافع کہاں سے آیا؟ معلوم ہوا حکومت نے ہماری جیبوں سے دیا ہے۔

www.rahimia.org

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

مشرقِ وسطیٰ کی بدلتی ہوئی صورتِ حال

مشرقِ وسطیٰ کی صورتِ حال بدلتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ کل تک امریکا کے حلیف مسلمان ممالک کے بارے میں مسلم اُمہ میں اسلام کے تحفظ کے حوالے سے مثبت پروپیگنڈا کیا جاتا تھا، لیکن اب کچھ عرصے سے خاص طور پر سعودی عرب کے حوالے سے ایسی خبریں سامنے آرہی ہیں، جن سے اس کے گزشتہ امیج پر زد پڑتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔ حال آں کہ اہلِ نظر ان اُمور سے بہت عرصہ پہلے سے واقف تھے۔

حال ہی میں سعودی عرب کی انٹیلی جنس ایجنسی کے سابق چیف ترکی بن فیصل اور اسرائیل کے ریٹائرڈ میجر جنرل یاکوف امیڈرار نے مشترکہ طور پر ایک سیمینار میں شرکت کی۔ جس کا اہتمام ''واشنگٹن انسٹی ٹیوٹ فار نیئر ایسٹ پالیسی'' (Washington Institute for Neareast Policy) نے 5 مئی 2016ء کو امریکا کے شہر واشنگٹن میں کیا۔ جسے بعد میں 18 مئی 2016ء کو اشاعت کے لیے میڈیا کے سپرد کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے عام حلقوں میں ماضی میں یہ ایک تأثر یہ پایا جاتا رہا ہے کہ سعودی عرب اور اسرائیل ایک دوسرے کے بد ترین مخالف ہیں، لیکن اب یہ تأثر تبدیل ہو رہا ہے اور سعودی عرب اور اسرائیل نے اپنا اپنا سفارت خانہ بھی کھول لیا ہے۔ اگر ہم درج ذیل پہلوؤں سے جائزہ لیں تو ان کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ایران کا عراق میں پھیلتا ہوا اثر ونفوذ، شام میں داعش کی پیدا کردہ دہشت گردی، یمن میں بیرونی جارحیت، لبنان پر مسلط کردہ جنگ اور ایران کے ایٹمی پروگرام کی کھلی مخالفت، سعودی شہزادہ طلال بن ولید نے متحدہ عرب امارات کے دورے پر دبئی کے حکمران شیخ محمد سے ملاقات کے دوران جو اُن کے محل میں ہوئی، جسے کویتی روزنامہ ''الاقباس'' نے اپنی اشاعت میں اسے شہ سرخی کے ساتھ شائع کیا کہ ''ہم اسرائیل کے ساتھ مل کر مشرقِ وسطیٰ میں ایک دفاعی معاہدہ کرنے جا رہے ہیں، جس کے ذریعے خطے میں پھیلتے ہوئے ایرانی اثر ونفوذ کو روکا جا سکے گا۔'' اس نے وضاحت کرتے ہوئے مزید کہا کہ ''فلسطینی مفادات کے لیے ہم اسرائیل کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔'' اسی طرح مشرقِ وسطیٰ میں جہادی کلچر کو فروغ دینے کے تناظر میں حال ہی میں کیتھولک چرچ کے پوپ فرانسس نے قاہرہ میں ''الازھر'' کے امام شیخ احمد الطیّب کے ساتھ ایک ملاقات میں کہا کہ ''بائبل میں بھی فتوحات کا نظریہ، اسلام کے تصورِ جہاد سے مماثلت رکھتا ہے۔'' (بائبل، باب 6، آیت 20)

تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ دونوں ممالک درجِ ذیل پہلوؤں سے یکساں رائے کے حامل ہیں: دونوں ممالک اپنی اپنی سرحدوں سے متصل علاقوں میں اپنا تسلط برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اسرائیل فلسطین میں مختلف ہتھکنڈوں کو اختیار کرتے ہوئے غیر قانونی بستیاں آباد کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح سعودی عرب اپنے ملک میں ایک ایسا سیاسی نظام مسلط کیے ہوئے ہے، جس کے نتیجے میں غیر سنی مسلمانوں اور عورتوں کے ساتھ امتیازی رویہ برتا جاتا ہے۔ اسرائیل اور سعودی عرب دونوں ہی اپنے اپنے ملکوں کی سرحدوں کے باہر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کے علاقوں میں شہری آبادیوں کو جارحیت کا نشانہ بنا کر عوام کا قتلِ عام کرنا، ان کا روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ اسرائیل 2008ء سے بمباری کر کے غزہ کی پٹی پر بسنے والے نہتے شہریوں کو اپنے غضب کا نشانہ بنا رہا ہے۔ اسی طرح سعودی عرب نے ہمسایہ ملک یمن کے اندورنی معاملات میں مداخلت کی۔ مارچ 2015ء میں اس نے حملہ کیا اور اس کے شہریوں، عمارتوں اور دیگر اہم تنصیبات کو نشانہ بنایا۔ 6000 شہریوں کا بہیمانہ قتلِ عام کیا۔ اس پر طرہ یہ کہ ان دونوں ملکوں نے تباہی پھیلانے کے لیے جو اسلحہ استعمال کیا، اسے عالمی ادارے نے ممنوع قرار دے رکھا ہے۔ اسرائیل غزہ میں بے گناہ اور نہتے شہریوں کے قتلِ عام کے لیے سفید فاس فورس اور سعودی عرب یمن میں کلسٹر بموں کے ذریعے شہری آبادیوں کے خون سے ہولی کھیلتا رہا ہے۔

دونوں ملکوں کی پالیسیوں میں مذہب کا کردار نمایاں ترین رہا ہے۔ اسرائیل صرف یہودیوں کا ملک قرار دیا گیا ہے۔ ان کا قانون کہتا ہے کہ اس سرزمین میں ترجیحی طور پر صرف یہودی آباد ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا قانون کہتا ہے کہ کوئی بھی یہودی جو دنیا کے کسی بھی خطے میں آباد ہے، وہ جب بھی اسرائیل میں منتقل ہونا چاہے، اسے فوری طور پر اسرائیل کی شہریت حاصل ہو جائے گی۔ جب کہ وہ مسلمان جو وہاں آباد ہیں، ان کے ساتھ آئے دن امتیازی رویہ برتا جاتا ہے۔ انھیں وہاں رہتے ہوئے ہی دوسرے درجے کے شہری قرار دیا گیا ہے۔ سعودی عرب میں بھی دیگر دنیا کے مسلمان ساری عمر ان کی خدمت کرتے رہتے ہیں، لیکن انھیں وہاں کی شہریت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ مسلمان سعودی عرب میں دوسرے درجے کے شہری سمجھے جاتے ہیں۔

اسی طرح اسرائیل خطے میں اسلحے کی خریداری کا سب سے بڑا مرکز ہے اور اس کی فوجیں دنیا بشمول امریکا کی پولیس کو انسانی وجود کو ایذا دینے کے نت نئے طریقوں کی تربیت دیتی ہے۔ سعودی عرب مذہب کے پُرتشدد نظریے کو دنیا میں فروغ دینے کا مرکز ہے۔ اس نے پہلے القاعدہ، اس کے بعد اس کا دوسرے باب داعش کی بنیاد بھی اسی نظریے پر رکھی۔ پہلے اسے مشرقِ وسطیٰ اور بعد میں اسے افریقا میں پھیلایا۔

دونوں ممالک امریکی پارلیمان کے ارکان کو متأثر کرنے کے لیے کروڑوں ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ وہاں امریکا اسرائیل پبلک افیئر کمیٹی (American Israel Public Affairs Committee) کے نام سے ایک ادارہ کام کر رہا ہے، جو امریکی فارن افیئر پالیسی پر اثر انداز ہونے والا سب سے مؤثر ادارہ ہے۔ اسی طرح سعودی مفادات کو امریکا میں فروغ دینے کے لیے بھی ایک ادارہ کام کر رہا ہے، جس کا نام ''سعودی امریکن پبلک ریلیشن افیئرز کمیٹی'' (Saudi American Public Relation Affairs Committee) ہے۔ کئی سالوں سے سعودیوں نے وہاں کی ایسی قانونی کمپنیوں کو خریدا ہوا ہے، جو مہمات کو شروع کر کے ارکانِ پارلیمنٹ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جو کمپنیاں اس قسم کی خدمات فراہم کرتی ہیں، ان میں نمایاں ترین پوڈیسٹا گروپ جو کلنٹن فاؤنڈیشن، کارٹر فاؤنڈیشن اور اس کے علاوہ درجنوں ایسے تھنک ٹینکس ہیں جو اس طرح کے کام کرتے ہیں۔ سعودی عرب اور اسرائیل طویل عرصے سے امریکی اتحادی چلے آرہے ہیں اور امریکا اسرائیل کے قیام 1948ء سے اس کی حمایت کرتا آرہا ہے۔ اسی طرح سعودیوں کی حمایت امریکا 1932ء سے کرتا چلا آرہا ہے۔

مجالس؛ افاداتِ علم وحکمت

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے قیام سے ہی یہ روایت موجود رہی ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے ساتھ احباب کی استفادہ نشست ہوتی ہے۔ ان افادات کو شائع کر کے ہم ماہ نامہ رحیمیہ کے تمام قارئین کو اس استفادہ نشست میں شامل کر رہے ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں ادارہ کو اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ (مدیر)

مجلس: 15/اپریل 2016ء - مقام: ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور

سوال: کیا ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت میں اسلام تھا؟ اس خطے کی تاریخ کے مطالعے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

حضرت اقدس: ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت میں اسلام ہی تھا۔ اورنگزیب عالمگیر تک اسلام ہی کا نظام تھا۔ یہاں سامراجی لٹریچر لکھنے والے نام نہاد مؤرخ یہ کہتے ہیں کہ یہاں اسلام نہیں تھا، وہ غلط کہتے ہیں۔ اس لیے کہ جب کسی ملک میں اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں عدل، امن، رواداری، انسانی حقوق کی ادائیگی کا نظام موجود ہو تو ایسا نظام اسلام کا ہی کہلائے گا۔ ایسے ہی خلافتِ عثمانیہ میں اپنے زوال سے پہلے تک اسلام کا بین الاقوامی نظام تھا۔ اس کی ایک سیاسی طاقت تھی۔ اور جہاں مسلمانوں کی اپنی سیاسی طاقت ہو، آپ اپنے فیصلے خود کر رہے ہوں، آپ کی اپنی معاشی طاقت اور قوت ہو، وہ اسلام کا نظام ہی تو ہے۔

اس ملک کی تاریخ اس دور کی سرکاری فارسی زبان میں پڑھیں تو پھر اصل اور اوریجنل تاریخ کے سورسز ہمارے سامنے آئیں گے۔ اس وقت ہمارے سامنے تاریخ کی کتابوں کے اردو میں جتنے بھی ترجمے ہیں، وہ انگریزی سے ہیں اور انگریزی میں لکھی گئی جتنی بھی تاریخ کی کتابیں ہیں، وہ یہاں انگریزوں نے اپنے مفادات کے لیے ہماری تاریخ کو مسخ کرنے کے تناظر میں پیش کی ہیں۔ اگر حقیقت کی بنیاد پر تاریخ کا جائزہ لیں اور سیاسی تاریخ پڑھنا چاہیں تو ہندوستان کے سیاسی فیصلے پڑھنے پڑیں گے۔ محمد بن قاسم سے لے کر اورنگ زیب عالم گیر اور بہادر شاہ ظفر تک، ان لوگوں نے سسٹم چلانے کے لیے جو سیاسی فیصلے جس زبان میں لکھے ہیں وہ پڑھنے چاہئیں۔ اسی طرح عدالتی اور معاشی فیصلے بھی پڑھنا ہوں گے۔ وہ فیصلے نہ سندھی میں ہیں، نہ پنجابی میں ہیں، نہ پشتو میں ہیں، نہ انگریزی میں ہیں، نہ اردو میں ہیں۔ یہ تمام فیصلے فارسی اور عربی زبان میں لکھے گئے ہیں، بلکہ تمام فرامین شاہی سرکاری فارسی زبان میں جاری ہوئے ہیں۔

تاریخ پڑھنے کا ایک ہی معروضی طریقہ ہے کہ اس خطے میں آٹھ نو سو سال تک جو لوگ حکمران رہے ہیں، انھوں نے اس دوران جو سیاسی فیصلے کیے، جو معاشی فیصلے کیے، جو سماجی فیصلے کیے، یہاں کا سسٹم چلانے والوں نے جس زبان میں بات چیت کی، اس کو تاریخ کی اوریجنل زبان میں جا کر پڑھو۔ ان کو پڑھے بغیر ہی انگریزوں نے جس تاریخی رائے کو یہاں پھیلایا ہے، اگر اس کو مانیں گے تو مسخ شدہ تاریخ سامنے آئے گی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ انگریزوں نے آپ کو تاریخ پڑھاتے ہوئے کہا کہ ہندوستانیوں پر ہمیشہ باہر کے لوگوں نے حکومت کی ہے۔ یہاں کے لوگوں میں حکومت کرنے کی اہلیت نہیں۔ چناں چہ باہر سے آریائی آئے، انھوں نے ہزار سال حکمرانی کی۔ اس کے بعد عرب اور ایرانی مسلمان باہر سے آئے، انھوں نے حکمرانی کی تھی۔ اس کے بعد کہا گیا کہ جی اب انگریز آ گئے ہیں، اس لیے ان کی حکمرانی بھی درست ہے۔ تأثر یہ دیا جاتا ہے کہ اس خطے کے لوگ تو ازل سے بے وقوف، احمق اور نالائق ہیں۔ ان کو حکومت کرنا نہیں آتا تھا۔ اس طرح انگریزوں نے اپنے ہندوستان پر تسلط کو جائز قرار دینے کے لیے تاریخ کا یہ خود ساختہ نظریہ گھڑ کر ہمارے سامنے رکھا۔

گزشتہ صدی کی تیسری دہائی میں آثارِ قدیمہ کی کھدائی کے ذریعے سے جب ہڑپہ اور موہنجوداڑو کی تہذیب اور تاریخ سامنے آئی تو پتہ چلا کہ ہندوستان میں بسنے والی قومیں تقریباً پانچ ہزار سال پہلے انتہائی مہذب حکمرانی کے جدید اصولوں سے واقف اور سوسائٹی کی تشکیل کے اہم اجتماعی اُمور سے آگاہ تھیں، بلکہ ایک منظّم نظام قائم کیے ہوئے تھیں۔ اگر کسی ملک میں پانچ ہزار سال پہلے حکمرانی کی اہلیت موجود تھی تو ان کے بارے میں یہ نظریہ دینا کہ انھیں حکمرانی نہیں آتی، غلط ثابت ہوتا ہے۔ آریائی ہوں یا مسلمان، انھوں نے اس خطے کے لوگوں کے ساتھ مل جل کر بسنا شروع کیا، بلکہ اس دھرتی کو اپنی دھرتی بنا لیا۔ اپنا جینا مرنا یہیں کیا۔ یہاں کے لوگوں کے لیے نئی اور مفید چیزیں متعارف کرائیں۔ اس خطے کے لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کر کے حکمرانی کا نظام قائم کیا۔ جب کہ انگریزوں نے اس خطے پر آ کر یہاں کی نسلوں کو تباہ و برباد کیا اور اس دھرتی کو اپنا وطن بنانے کی بجائے یہاں کی دولت لوٹ کر اپنے وطن یورپ میں منتقل کی۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں میں سے کسی نے یہ سوال کیوں نہیں اٹھایا کہ یہ پانچ ہزار سال پہلے کی تہذیب کہاں سے آ گئی؟ اس وقت تو نہ آریائی آئے تھے، نہ مسلمان آئے تھے۔ انھوں نے اپنا سول سٹرکچر کیسے بنایا؟ سیدھی سڑکیں کیسے بنائیں؟ بہترین مکانات کیسے بنائے؟ پانی کی نکاسی کا نظام عمدہ ترین کیوں تھا؟ لیکن آج بھی آپ کو تاریخ میں یہی پڑھایا جا رہا ہے کہ ہمیشہ باہر والے حکومت کرتے رہے ہیں۔ اب اگر لندن سے پاکستان کی حکومت چلائی جا رہی ہے تو نئی بات تو نہیں۔ یعنی یہاں کے قابض طبقوں نے اپنی حکمرانی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایک خاص نظریے کے تحت اس خطے کی پوری تاریخ کو مسخ کیا۔ بنیادی بات یہی ہے کہ ہمارے تاریخی نظریے دوسروں کی جگالی کیے ہوئے سیاسی، معاشی اور تاریخی لقمے ہیں، جنھیں چبا کر ہمارے نام نہاد دانشور تاریخ پر کتابیں لکھ رہے ہیں اور مسخ شدہ سوچ بھی پھیلا رہے ہیں۔

یہی حال آپ کی لکھی ہوئی اسلام کی تاریخ کا ہے۔ اب اسلام کی جو تاریخ بھی بیان کی جاتی ہے، وہ انگریزوں کی لکھی ہوئی ہے۔ جب کہ وہ ساری کی ساری تاریخ عربی میں ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمیں اپنی تاریخ اور دھرتی کے تقاضوں نا آشنا کرنے کے لیے اپنی زبانوں، اپنی تہذیب، اپنی دھرتی سے کاٹ کر جو کچھ ذہن پیدا کیا گیا، وہ قومی اور ملّی سوچ کا حامل نہیں ہے۔ شعوری طور پر اس سے بچنا اور اوریجنل سورسز کے ذریعے سے تاریخ کا معروضی مطالعہ کرنا وقت کی ضرورت اور قومی وملّی تقاضا ہے۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ ومسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزادؔ رائے پوری مدظلہٗ نے یکم رشوال المکرّم 1436ھ/ 18رجولائی 2015ء کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں نمازِ عیدالفطر کے شرکا سے خطاب فرمایا، جس کے چند اہم اقتباسات درج ذیل ہیں:

پہلی عیدالفطر فتح بدر اور رمضان کے اختتام کا جشن مسرت

''معزز دوستو! آج عیدالفطر کا دن انتہائی بابرکت دن ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جاری کردہ سنت ہے۔ عیدالفطر آپؐ نے آج سے چودہ سو سال پہلے 624ء میں پہلے رمضان کے اختتام پر جاری فرمائی تھی۔ نبی اکرمؐ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سالہ نبوی زندگی میں جو جماعت تشکیل دی، اس جماعت نے مدینہ منورہ پہنچ کر اپنی ریاست و حکومت قائم کی۔ اسی حکومت کے ماتحت نبی اکرمؐ نے پہلے غزوے، غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کی سیاسی طاقت توڑ کر رکھ دی۔ یہ وہ انقلابی عمل تھا کہ جسے حضور اقدسؐ نے مختصر سی مدت میں مکمل کیا۔ پہلے رمضان المبارک کے اختتام پر آپؐ نے عیدالفطر منانے کا اعلان کیا اور اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ: ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور اس دن میں ہم عید منائیں گے۔ یہ عید وہ جشن مسرت ہے جو فتح بدر اور پہلے رمضان کے مکمل ہونے پر آپؐ نے منایا۔ یہ مسلمانوں کا ایک اجتماع ہے اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے جتنے بھی اجتماعات ہیں، ان کا بنیادی مقصد دین کے غلبے کا اعلان ہے۔ اسی لیے انھیں شعائر اللہ کہا جاتا ہے کہ ایسے شعائر جن میں اللہ کی سربلندی، اللہ کی عظمت اور کبریائی، کائنات پر اُس کی شہنشاہیت کا برملا اعلان ایک اجتماعیت میں کیا جاتا ہے۔

حضور اقدسؐ کا دین کے غلبے پر مبنی یہ کام حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے کام کی تکمیل ہے۔ امامِ انسانیت بنا کر جب حضرت ابراہیمؑ کو دنیا میں مبعوث کیا گیا اور آپؑ نے اپنے دور کے ظلم اور شرک کی نمرودی اور طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تحریکِ حنیفیت کا آغاز کیا، تو اس تحریکِ حنیفیت کا مرکز اور منبع بیت اللہ الحرام کو بنایا۔ جہاں حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے قربانی کی ایک لازوال داستان رقم کی۔ اس سے عیدالاضحیٰ کی سنت کا آغاز ہوا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدسؐ سے پوچھا کہ: یہ قربانی کیا ہے؟ حضورؐ اقدس نے فرمایا: تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ہم یہ دن اس لیے مناتے ہیں کہ جس تحریک کا آغاز حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا، اُس تحریک کی تکمیل بین الاقوامی سطح پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے کی ہے۔ آپؐ نے اس کی تکمیل پر عیدالفطر منانے کا آغاز کیا ہے۔ گویا عیدالاضحیٰ حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے اور عیدالفطر سنتِ حضرت محمدؐ ہے۔''

عیدالفطر طاغوتی قوتوں کے خلاف مزاحمتی شعور کی بیداری ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''نبی اکرمؐ کی پہلی عیدالفطر کی سنت کے آغاز سے لے کر مسلمانوں کے غلبے کے گیارہ بارہ سو سال تک یہ عیدالفطر اسی جذبے، اسی جوش، اسی مسرت کے ساتھ منائی جاتی رہی کہ اعلائے کلمۃ اللہ کی عملی شکل مسلمانوں کے نظامِ حکومت کی صورت میں دنیا بھر پر قائم ہے اور تمام انسانوں میں بلاتفریق رنگ نسل مذہب اُن کے حقوق کی ادائیگی کا مجموعی سیاسی اور معاشی نظام قائم ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکمرانی کے خاتمے اور غلامی کے اس دور میں عیدالفطر کو مسنون طریقے سے منانے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے؟ جب ہر ماہِ رمضان وقت کی طاغوتی قوتوں کے خلاف مزاحمتی شعور کی جدوجہد کو تازہ کرتا رہا ہے، تو آج عیدالفطر منانے سے پہلے اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا غلامی اور پستی کی اس حالت میں مسلمان معاشروں کی بداخلاقیوں اور کمزوریوں کے اس موقع پر جشن مسرت، حضور ﷺ کی سنت کی پوری اتباع ہے؟

آپ دیکھیے کہ عیدالفطر کے تمام معمولات' اللہ کی حکمرانی کے اعلان سے شروع ہوتے ہیں اور انسانی خدمت، انسانوں کے فوائد اور بھلائی کے تقاضوں پر تکمیل پذیر ہوتے ہیں۔ اس دن میں مسلمانوں کا اجتماعِ عام مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر اس جشن مسرت میں شریک ہونے کے لیے شہر سے باہر عیدگاہ کے میدان میں جمع ہوں۔ لیکن آج غلامی کے نظام کا تحفہ یہ ہے کہ کسی ایک شہر میں اس بڑے اجتماع کے لیے کوئی طریقہ کار مقرر نہیں ہے، جہاں تمام شہری اپنی اجتماعی طاقت وقوت کا مظاہرہ کریں۔ ہر مسجد اور کونے کھدرے میں عید کے چھوٹے چھوٹے اجتماعات ہو رہے ہیں اور انھیں عیدالفطر کا اجتماع کہا جاتا ہے۔ پھر کوئی حکمران نہیں کہ جو اس اجتماع کے سامنے اجتماعی تقاضوں کے تناظر میں خطبہ دینے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہو۔ چند ملازم مذہبی رہنماؤں نے خطبے کے نام پر چند رٹے رٹائے جملے بیان کرنے کا نام خطبہ رکھ دیا ہے۔ ایسا ملازم خطیب خطبہ دے بھی کیا سکتا ہے کہ جب حکومتی اختیارات اس کے پاس نہ ہوں۔ وہ کوئی فیصلہ لینے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ غلامی کے ان تحفوں نے عیدالفطر کے خوشی اور مسرّت کے موقع کو بھی کہیں غلامی کے جشن میں بدل کر نہیں رکھ دیا؟ آپ اندازہ لگائیے کہ اگر عیدالفطر کے موقع پر پورے شہر کے تمام لوگ شہر سے باہر ایک بڑے میدان میں جمع ہوں، اور وہاں ان کا حاکم خطبہ دے، اُس اجتماع کے سامنے اپنے سال بھر کی کارکردگی بیان کرے کہ انسانی فائدے کے لیے اُس نے کیا اقدامات کیے؟ اس کے نتیجے میں کیسے بہترین اثرات جنم لے سکتے ہیں؟ لیکن بدقسمتی سے آج کا بے چارہ حکمران کیا خطبہ دے گا کہ جو خود سماج دشمن عناصر کا حصہ ہے۔ لوٹ کھسوٹ اور انسانی حقوق کو توڑنے کا سب سے بڑا نمائندہ وہ خود ہے۔ جب کہ غلبے کے زمانے میں حکمران کو عیدالفطر کے اس اجتماعِ عام کے سامنے جواب دہ ہونا ہوتا تھا۔''

www.rahimia.org

عیدالفطر میں غریبوں کو اپنی خوشیوں میں شریک کریں

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''عیدالفطر کے اجتماع میں سب سے پہلے نماز عیدالفطر ادا کی جاتی ہے، جو دراصل اللہ کی عظمت اور کبریائی کے لیے مقرر کی گئی۔ کیوں کہ یہ اجتماع اللہ کی بڑائی اور شہنشاہیت اس کائنات پر غالب کے لیے ہے، ہر طاغوتی، سامراجی طاقت، ابوجہل اور عتبہ شیبہ کی حکمرانی کے انکار سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے اس میں اعلان کیا جاتا ہے اللّٰہ اکبر کہ اللہ ہی بڑا ہے۔ یہ جشن مسرت ہے اور اس مسرت کا اظہار نماز کے اندر بھی ہوتا ہے۔ گویا کہ وہ اعلان کر رہا ہے اور نماز کے لیے آتے ہوئے اُسے تکبیرات کہنی ہیں ''اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا إلٰہ إلاَّ اللّٰہ و اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر و للّٰہ الحمد.'' اللہ کی بڑائی اور اس کی حمد وثنا ہے، اُس کی عظمت، اُس کی ہیبت وجلال کا تذکرہ ہے۔ اور جاتے ہوئے بھی اُس کو یہ تکبیرات کہنی ہیں، تاکہ پورے شہر میں بلکہ پوری دنیا کو پتہ چل جائے کہ ہم اللہ کی حکمرانی کے علاوہ کسی کی حکمرانی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

اس کے بعد اس اجتماع میں شریک تمام لوگوں کو خوشیوں میں شریک کرنا ہے۔ خوشیوں میں اپنے ساتھ حصہ دار بنانا ہے۔ اس لیے صاحبِ حیثیت لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان تمام لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کرنے کے لیے کم از کم اس ایک دن میں تو اُن کی وہ تمام ضروریات مہیا کریں کہ وہ فراخی کے ساتھ کھانے پینے کے ساتھ ساتھ اجتماع گاہ میں آنے کے لیے اچھے کپڑے پہنیں۔ زیب وزینت کا اظہار کریں۔ اجتماعی طاقت کا اظہار کرنے کے لیے تمام لوگ اپنے وسائل بروئے کار لاکر اس اجتماعیت کا حصہ بنیں۔ گویا کہ ایک اجتماع مقرر کیا گیا کہ لوگ آئیں اور ان کے ساتھ شریک ہوں۔ خواہ وسائل اُن کے پاس ہیں یا نہیں۔ گھر میں جتنے افراد بھی ہیں، چاہے ایک دن پہلے کا بچہ پیدا ہو، اُس کا بھی صدقہ فطر ادا کریں، تاکہ اجتماع گاہ میں آنے کے لیے غریبوں کو مواقع ملیں۔ ان کو سہولت کے ساتھ اس اجتماع میں شرکت کا موقع ملے۔

پھر اس اجتماع میں اللہ کی بڑائی بیان کرنے کے بعد لوگ اپنے گھروں میں اپنے عزیز واقارب، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اظہارِ مسرت کرتے ہوئے ملیں کہ یہاں اجتماعی طاقت بنانی ہے۔ اس لیے پُرانے گلے شکوے ختم کریں۔ دلوں کی کدورتیں صاف کریں۔ ایک دوسرے کے ساتھ پیار ومحبت سے ملیں۔ بغل گیر ہوں۔ اجتماعیت کا مظاہرہ کریں۔ خوشی کا اظہار کریں۔ کھانے پینے میں فراخی پیدا کریں۔ جشن مسرت انھی چیزوں سے منایا جاتا ہے۔ اس لیے عیدگاہ میں آنے سے پہلے میٹھا استعمال کرکے آئیں۔ اور اس سارے دن میں بھی ایک دوسرے کی ضیافت، تعاونِ باہمی کی شکل، ایک دوسرے کے کھانے پینے کو ایک اجتماعی ماحول کے اندر پروان چڑھائیں۔ یہ خوشی ہے۔ یہ اللہ کے انعام کا موقع ہے۔ گویا کہ اس دن میں عیدالفطر کے تمام معمولات انھی دو کاموں کے گرد میں گھومتے ہیں: اللہ کی حکمرانی اور انسانی حقوق کی ادائیگی کا شعور۔''

عیدالفطر غلبہ دین کا اعلان ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''عیدالفطر کا دن یومِ آزادی ہے اور دنیا کی ہر قوم اپنا یومِ آزادی جب مناتی ہے تو آزادی اور حریت کے مقاصد واہداف، اپنی سوسائٹی کے اجتماعی اقدار اور تقاضے جن اقدار پر سوسائٹی کی ترقی ہوئی، ان کو واضح کرنے کے لیے کردار ادا کرتی ہے۔ یومِ آزادی پر جو تقاریر اور بیانات کیے جاتے ہیں، وہ اُس ملک کے نظم ونسق چلانے کی بنیادی اقدار کے تعارف کے لیے ہوتے ہیں۔ عیدالفطر بھی گویا کہ دین کے غلبے کے اعلان کے طور پر ہے۔ بتلانے کے لیے ہے کہ دین اسلام کے بنیادی اساسی مقاصد کیا ہیں۔ اس کی اقدار اور رویے کیا ہیں۔ کیوں یہ بنیادی اقدار ورویے پیش نظر رکھے جائیں گے۔ ان کو پیش نظر رکھا جانا اس لیے ضروری ہے کہ ان تقاضوں کو سمجھنا اس دن کا بنیادی عمل ہے۔ خطبات کا بنیادی مقصد اپنی سوسائٹی کے بنیادی اقدار اور رویوں اور جن شعائر کے غلبے کے لیے کردار ادا کرنا ہے، اُن شعائر کی اہمیت واضح کرنا ہے۔

اسی کو قرآن حکیم نے کہا: ''جس نے بھی اللہ کے ان شعائر کی تعظیم کی، دلوں کا تقویٰ اسی سے پیدا ہوتا ہے۔'' اخلاق وعادات اور مقاصد واہداف کو جانے بغیر، سنتِ نبویؐ کے پس منظر کو سمجھے بغیر، روایتی طور پر پژمردگی کے ساتھ عید منا لینا، دلوں کا تقویٰ پیدا نہیں کرتا۔ اللہ کا ادب نہیں آتا۔ وہ عید آتی ہے اور گزر جاتی ہے۔ اس عید کے نتیجے میں دل میں کوئی حرارتِ دینی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے سسٹم کی اہمیت نہیں آتی، جب کہ یہ دلوں کا تقویٰ پیدا کرنے کا دن ہے۔ اور دلوں کا تقویٰ اللہ کے شعائر کی عظمت سے پیدا ہوتا ہے۔ تقویٰ کا بنیادی مقصد دل کی حالت کو حالِ الٰہی میں بدلنا ہے اور دل کی حالت حالِ الٰہی میں بدلتی ہے اپنے نبی کی سنت کو اُس حالت میں انجام دینے سے، جس حالت میں نبیؐ نے یہ سنت سرانجام دی اور مسلمانوں کے لیے لازمی اور ضروری قرار دی۔

آج اس سنت کے ان بنیادی تقاضوں کو سامنے رکھ کر یہ دن ہم منائیں گے تو ایک نتیجہ پیدا ہوگا، لیکن کامل عیدالفطر تب ہے کہ جب قومی اور بین الاقوامی نظام اللہ کی حکمرانی اور بڑائی کی بنیاد پر قائم ہو۔ اگر ملکی نظام خدا کے احکامات کا مذاق اُڑاتا ہو، ظلم زیادتی، بداخلاقی، انسان دشمنی، سودخوری، رشوت اور ناانصافی کو فروغ دیتا ہو تو پھر وہ حقیقی طور پر عیدالفطر منانا نہیں، بلکہ ایک رسم ہے۔ اب اس لیے کہ ہم اس اجتماع کا حصہ ہیں، ہم اس کی یاد تازہ کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں، تو کم از کم اس دن میں اگر ایسا نظام موجود نہیں تو نظام قائم کرنے کا عزم کرنا، ارادہ کرنا، اس کے لیے تحریک پیدا کرنا، تنظیم بنانا، جدوجہد اور کوشش کرنا، یہ تو کم از کم ایک حالتِ الٰہیہ ہے، جسے ہم اپنے وجود پر طاری کرنے کی صلاحیت واہلیت رکھتے ہیں۔ اس عزم وارادے کے ساتھ، ان شعائر اللہ کی عظمت کے ساتھ ہم یہ دن منائیں تو یقیناً یہ اللہ کے شعائر میں سے ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ اثرات ونتائج ہمارے دلوں پر مرتب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔''

www.rahimia.org

بچوں کا کالم

چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

کم ہمت اور کم محنت بچے لکھنے سے کتراتے ہیں

(چوہدری افضل حقؒ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

نورچشمی بلقیس بی بی! السلام علیکم

بیٹی! تمھارا یا معروف کا خط آتا ہے، لیکن شمس اپنے بدخط کی وجہ سے شرم سار معلوم ہوتا ہے۔ آئندہ اسی کا خط لکھا آنا چاہیے۔ کہتے ہیں کہ لکھنے کے بغیر لیاقت نہیں آتی۔ زبانی پڑھائی لکھے بغیر ادھوری رہتی ہے۔ جو بچہ لکھنے سے جی چراتا ہے، وہ توجہ سے پڑھ بھی نہیں سکتا۔ لکھنے میں زیادہ محنت اٹھانا اور دل لگانا پڑتا ہے۔ کم ہمت اور کم محنت بچہ کتاب اُٹھا کر پڑھنے کو آسان سمجھتا ہے۔ دو حرف لکھنے پڑیں تو اُداس سا ہو کر جمائیاں لینے لگتا ہے۔ جو آج لکھنے سے کتراتا ہے، وہ کل پڑھنے سے بھی گھبرائے گا۔ آخر مدرسہ چھوڑ آئے گا۔ بچے وہی ہونہار ہوتے ہیں، جو پڑھنے کے ساتھ لکھنے کا شوق بھی رکھیں۔

میں نے جیل میں آتے ہی خط لکھا تھا کہ جسم اور جان کی پرورش اور اصلاح کی طرف توجہ رکھو۔ ہر خط میں مَیں نے یہی تاکید پر تاکید کی، لیکن تم میں سے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ تم صحت کی درستی کے لیے ورزش اور دل کی صفائی کے لیے نماز پڑھتے ہو یا نہیں۔ نمازیں نیکی کی تعلیم ہی نہیں، بلکہ زندگی میں وقت کی پابندی اور کام میں چستی کا سبق دیتی ہیں۔ صبح سویرے اٹھو، دیکھو قدرت اندھیرے سے اُجالا کیوں کر پیدا کرتی ہے۔ آسمان کی چھت پر جو ستاروں کی روشن قندیلیں لٹک رہی تھیں، وہ خود بہ خود بجھی جارہی ہیں۔ بیمار بھی بیماری بھول کر ایسے وقت مسکرانے لگتے ہیں۔ صبح کا وقت سب سے پیارا وقت ہے۔ بھینی بھینی خوشبوؤں سے لدی ہوئی نرم نرم ہوائیں جنت سے خدا کی محبت کا پیغام لے کر بچوں کو سنانے آتی ہیں اور کہتی ہیں: لو بچو اُٹھو! ہاتھ مونہہ دھوؤ! خدا تم کو یاد کرتا ہے، تم اس کو یاد کرو۔ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں، وہ ان کو نہیں بھولتا۔ ہمیشہ بُرائیوں سے بچاتا ہے۔

جس طرح بچے اوپر کی سیڑھی سے گزریں تو لُڑھک کر زمین پر آجاتے ہیں، مگر اوپر چڑھنا کتنا کٹھن ہوتا ہے۔ زندگی بسر کرنا' کھجور پر چڑھنا ہے۔ ذرا اِدھر اُدھر پاؤں ہوا تو دھڑام سے زمین پر آرہے۔ ایک دفعہ گندی گالیاں بکنے کی عادت ہو جائے تو عمر بھر یہی عادت جاری رہتی ہے۔ نماز عمدہ دعا ہے، مگر روزانہ نماز پڑھنا مشکل ہے، البتہ آوارہ بچے گالیاں دن رات دیتے نہیں تھکتے۔ حال آں کہ گالیاں اور نماز دونوں زبان کا عمل ہیں۔

جو لوگ بچپن سے نمازیں دل لگا کر پڑھتے ہیں، وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔ لوگ مانیں یا نہ مانیں، میں یہ بات سچ سمجھتا ہوں کہ جو لوگ بچپن سے اس کی عبادت کرتے ہیں، خدا خود اُن کو برائیوں سے بچاتا ہے۔ گناہ اور اس کے درمیان خود آجاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے ایفائے عہد کا مثالی واقعہ

حضرت عمرؓ بن الخطاب کا دورِ خلافت (13ھ تا 23ھ/634ء تا 644ء) خلافتِ راشدہ کے عروج کا دور ہے۔ یہ دور عادلانہ حکومتوں کے لیے ایک اعلیٰ نمونے اور بہت بلند معیار کا ہے۔ اس دور میں شریعت، طریقت، سیاست دین کے تینوں شعبوں کی جامعیت کا مکمل نظامِ فکر و عمل نافذ العمل تھا۔ ان کے اَخلاقِ عالیہ کا اثر پوری سوسائٹی پر تھا۔ حضرت عمرؓ کے سنہری عہد کا درج ذیل واقعہ اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

ہرمزان ایرانیوں کے ایک لشکر کا سردار تھا۔ ایک مرتبہ مغلوب ہو کر اس نے جزیہ دینا بھی قبول کیا تھا، مگر پھر باغی ہو کر مقابلے پر آیا۔ آخر شکست ہوئی اور گرفتار ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پہنچا۔ آپؓ اس وقت مسجدِ نبویؐ میں تشریف رکھتے تھے۔ فرمایا: تم نے بار بار بدعہدی کی۔ اگر اس کا بدلہ تم سے لیا جائے تو تم کو کیا عذر ہے؟

ہرمزان نے کہا: مجھے خوف ہے کہ شاید میرا عذر سننے سے پہلے ہی مجھے قتل نہ کر دیا جائے! آپؓ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہ ہوگا، تم کوئی خوف نہ کرو!۔ ہرمزان نے کہا: مجھ کو پہلے پانی پلا دو! حضرت عمرؓ نے پانی لانے کا حکم دیا۔ ہرمزان نے ہاتھ میں پانی کا پیالہ لے کر کہا: مجھے خطرہ ہے کہ میں پانی پینے کی حالت میں ہی قتل نہ کر دیا جاؤں!

حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب تک تم پانی نہ پی لو اور اپنا عذر بیان نہ کر لو! تم اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرے سے محفوظ سمجھو! ہرمزان نے پانی کا پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا: میں پانی نہیں پینا چاہتا۔ آپ نے مجھ کو امان بخشی ہے، اس لیے آپ مجھ کو قتل بھی نہیں کر سکتے۔

حضرت عمر فاروقؓ کو ہرمزان کی اس چالاکی اور دھوکا دہی پر بہت غصہ آیا، لیکن حضرت انسؓ درمیان میں بول اٹھے اور کہا: امیر المؤمنین! یہ سچ کہتا ہے۔ کیوں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جب تک پورا حال نہ کہہ لو، کسی قسم کا خوف نہ کرو اور جب تک پانی نہ پی لو، کسی قسم کے خطرے میں نہ ڈالے جاؤ گے۔ حضرت انسؓ کے کلام کی اَور لوگوں نے بھی تائید کی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''ہرمزان تُو نے مجھے دھوکا دیا، لیکن میں تجھے دھوکا نہیں دوں گا۔ اسلام نے اس کی تعلیم نہیں دی۔'' اس واقعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

1۔ دھوکا دہی سے طلبِ امان کی پابندی حضرت عمرؓ کے ذمے لازم نہ تھی، کیوں کہ ہرمزان کی مسلسل بدعہدی کی طرح یہ بھی ایک چال معلوم ہو رہی تھی۔

2۔ آپؓ کے ایفائے عہد اور حُسنِ سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہرمزان مسلمان ہو گیا اور امیر المؤمنینؓ نے دو ہزار سالانہ اس کی تنخواہ مقرر کر دی اور جنگی اُمور میں مشورہ لیا۔

3۔ واقعہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان اپنی زبان کے کس قدر پابند تھے۔ جب کہ آج کے ظالم مسلم حکمران قومی امانتوں کے تحفظ اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کو بھی ع ''وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا'' کی طرح شاعرانہ تخیل اور مذاق سمجھتے ہیں۔

4۔ آیئے! حضرت عمرؓ کی طرح ظالمانہ حکومتوں کے طرزِ عمل سے اعلانِ برأت کریں اور اللہ کے قانون کی سربلندی کا عہد کریں۔

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر دہلویؒ

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تیسرے صاحب زادے تھے۔ پورا نام معین الدین عبدالقادر تھا۔ ان کی ولادت 1167ھ/1753ء میں دہلی میں ہوئی۔ اپنے برادر بزرگ امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے شاگرد مولانا شاہ محمد عاشق پھلتیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اُردو زبان کی تعلیم اس دور کے نامور شاعر اور اُردو زبان کے مجتہد خواجہ میر دردؒ سے حاصل کی۔ شاہ صاحبؒ کا زیادہ تر وقت اکبرآبادی مسجد میں گزرا اور یہیں ولی اللّٰہی اسلوب کی طرز پر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے رہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی بہت بڑی خدمت قرآنِ حکیم کا اردو زبان میں ترجمہ ''موضح القرآن'' ہے۔ ان کے والدِ گرامی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآنِ حکیم کا اس وقت کی سرکاری زبان فارسی میں ترجمہ کر کے قرآن فہمی کو آسان بنا دیا تھا، جب کہ امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ولی اللّٰہی تحریک کو عوامی رنگ دیا اور قومی تحریک کے طور پر اپنا کردار ادا کیا۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ قرآنِ حکیم کی تعلیمات کو ایسی زبان میں ترجمہ کیا جائے جو عوامی ہو۔ ترجمہ قرآن کا یہ قدم اس دور کی اہم ترین ضرورت تھی۔ اس سے قرآنِ حکیم کی انقلاب آفرین تعلیمات کو سمجھنا اور سمجھانا انتہائی آسان ہو گیا۔

ان کے ترجمہ قرآن کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی، جو اُردو زبان کے کسی دوسرے ترجمے کے حصے میں نہیں آئی۔ ترجمہ قرآن کی یہ خوبی ہے کہ کوئی لفظ زائد استعمال نہیں کیا گیا۔ جتنے الفاظ آیتِ قرآنی کے ہیں، عموماً اتنے ہی الفاظ میں اس کا مفہوم ادا کر دیا گیا ہے۔ اسلوب کے اعتبار سے بھی یہ ترجمہ ایسا ہے کہ عربی میں جس لفظ پر زور دیا گیا ہے، ترجمے میں بھی وہی انداز پیدا ہو گیا ہے۔ یہ ترجمہ ''موضح القرآن'' 1791ء میں مکمل ہوا اور پہلی بار 1838ء میں مطبع احمدی ہگلی بنگال سے شائع ہوا تھا۔ موضح القرآن بعد کے ادوار میں ہونے والے تمام اردو تراجم کے لیے رہنما کے طور پر سامنے آیا۔ نہ صرف یہ کہ انھوں نے قرآنِ حکیم کا بامحاورہ ترجمہ کیا، بلکہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کی روشنی میں ترجمے کے لیے قوانین بھی وضع کیے اور انھیں موضح القرآن کے مقدمے میں درج کیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ترجمہ نگاری کی اس ولی اللّٰہی روایت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اگر یہ مقدسین اکابر قرآن شریف کی اس ضروری خدمات کو انجام نہ دے جاتے تو اس شدتِ ضرورت کے وقت میں ترجمہ کرنا بہت دشوار ہوتا۔ علما کو صحیح اور معتبر ترجمہ کرنے کے لیے متعدد تفاسیر کا مطالعہ کرنا پڑتا اور بہت ہی فکر کرنا ہوتا۔ اور ان دِقتوں کے بعد بھی شاید ایسا ترجمہ نہ کر سکتے، جیسا اب کر سکتے ہیں۔''

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا دور سیاسی اعتبار سے اضمحلال کا دور تھا۔ ان کے والدِ گرامی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی انقلابی تعلیمات اور خاندانی ماحول کا ان کی شخصیت پر گہرا اثر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور کی سیاسیات پر ان کی گہری نظر تھی۔ حالات کا تجزیہ کر کے رہنمائی کا کردار ادا کرنے میں ان کو کمال مہارت حاصل تھی۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ اپنے مدرسے میں ولی اللّٰہی نظریات کی روشنی میں قرآنی نقطہ نظر سے سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کے حل کی تعلیمات دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے تربیت یافتہ افراد نے وطنِ عزیز کی آزادی کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ان کے شاگردوں میں شیخ عبدالحئی بڈھانویؒ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ، شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، مفتی صدرالدین آزردہؒ اور مولانا فضلِ حق خیرآبادیؒ جیسے جیّد علمائے کرام اور اپنے وقت کے نامور شاعر حکیم مؤمن خان مؤمن کے علاوہ کثیر تعداد شامل ہے۔

تعلیمی نشستوں کے علاوہ بھی خاص وعام کا جھمگٹا لگا رہتا تھا، جس میں عمومی نوعیت کی گفتگو ہوتی۔ قرآنی تعلیمات کو اجتماعی نقطہ نظر سے سمجھنے اور سمجھانے کا سلسلہ جاری رہتا۔ قلعے کے امرا اور شہزادے بھی حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی ان مجالس میں حاضری کو فخر کا باعث قرار دیتے تھے۔ ان کے سامنے باادب بیٹھے رہتے اور تربیت حاصل کرتے تھے۔ ان کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ حالات کا تجزیہ نپے تُلے انداز اور فہم وفراست سے فرماتے تھے۔ رحیم بخش دہلویؒ اپنی کتاب ''حیاتِ ولی'' میں لکھتے ہیں کہ:

''آپؒ نے جس امر کی بابت ذہن دوڑایا، یا اس کے بارے میں ارشاد فرمایا، خدا کی شان کہ بے کم وکاست ویسا ہی ظہور میں آیا۔''

سرسیّد احمد خاں ''آثار الصّنادید'' میں لکھتے ہیں کہ:

''زبان کو کیا طاقت جو ایک حرف حضرتؒ کی صفات کا کہہ سکے اور قلم کو کیا مجال کہ آپؒ کی مدح میں لکھ سکے۔''

یہ وہ دور تھا جس میں ولی اللّٰہی تحریک عمومی رنگ اختیار کر چکی تھی۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اس تحریک کی امامت فرما رہے تھے۔ لہٰذا حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی تمام تر سرگرمیوں کی سرپرستی ونگرانی حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہی فرماتے رہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا انتقال 63 سال کی عمر میں 19/رجب المرجب 1230ھ/28/جون 1815ء/ کو ہوا۔ اپنے خاندانی قبرستان واقع مہندیان، دہلی میں مدفون ہوئے۔ ان کا مزار امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پائینتی میں مغرب کی جانب ہے۔ ان کی وفات کے وقت دونوں بڑے بھائی حضرت شاہ امام الدین عبدالعزیز دہلویؒ اور حضرت شاہ رفیع الدین عبدالوہاب دہلویؒ حیات تھے اور تدفین کے موقع پر دونوں حضرات نہایت ملال کے ساتھ بار بار فرماتے تھے کہ:

''آج ہم کسی انسان کو دفن نہیں کر رہے، بلکہ علم وعرفان کو دفن کر رہے ہیں۔''

www.rahimia.org

صدقۂ فطر اور عیدالفطر کے احکام و مسائل

صدقۂ فطر کے مسائل

1۔ صدقہ فطر ہر عاقل، بالغ، آزاد مالک نصاب شخص اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے ادا کرے، بشرطیکہ اس کی نابالغ اولاد کی ملکیت میں ان کے نام الگ سے مال نہ ہو۔ اگر ان کی ملکیت میں الگ مال بقدرِ نصاب ہے تو ان کے مال میں سے صدقہ فطر ادا کیا جائے گا۔

2۔ صدقہ فطر کے نصاب کا مالک وہ شخص ہوگا، جس کے پاس ضرورت سے زائد تمام املاک و اشیا اس مقدار ہوں کہ ان کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونا کے مساوی ہو۔

3۔ احادیث میں درج ذیل اشیا میں سے کوئی ایک درج ذیل مقدار کے مطابق بطورِ صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

(الف) صاعاً من شعیرٍ: یعنی جَو (تقریباً 3500 گرام)
(ب) صاعاً من تمرٍ: یعنی کھجور (تقریباً 3500 گرام)
(ج) صاعاً من اقطٍ: یعنی پَنیر (تقریباً 3500 گرام)
(د) صاعاً من زبیبٍ: یعنی کشمش (تقریباً 3500 گرام)
(ہ) نصف صاعٍ من بُرٍّ: یعنی گندم (تقریباً 1700 گرام)

موجودہ اوزان (ناپ تول) کے مطابق علمائے کرام نے نصف صاع کو تقریباً 1700 گرام کے برابر قرار دیا ہے اور ایک صاع تقریباً ساڑھے تین کلوگرام کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص جَو یا گندم وغیرہ، غلے کی شکل میں نہ دے سکے تو اپنے علاقے کے نرخ کے مطابق اسی قدر درج بالا اشیا کی قیمت ادا کردے۔

4۔ جو شخص نصاب کا مالک ہے، اس پر صدقہ فطر واجب ہے، خواہ اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں۔

5۔ مستحب یہ ہے کہ صدقہ فطر، عیدالفطر کے دن نمازِ عید سے پہلے ادا کیا جائے۔ اور رمضان المبارک میں بھی ادا کرنا درست ہے۔

6۔ زکوٰۃ کی طرح صدقہ فطر کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مال سال بھر تک اس کے پاس جمع رہے، بلکہ سال سے کم عرصہ میں بھی بقدرِ نصاب مال کا مالک بن جائے اور عیدالفطر کے دن بھی اس کا مالک ہو تو صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہوگا۔

7۔ عورت پر صرف اپنی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ نابالغ بچوں کی طرف سے ان کی والدہ پر صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ یہ ذمہ داری باپ کی ہے۔

8۔ صدقہ فطر، عید کے دن صبح صادق کے وقت سے واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص صبح صادق سے پہلے فوت ہو جائے، اس کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔ اور جو بچہ صبح صادق کے بعد پیدا ہوا، اس کی طرف سے بھی صدقہ فطر واجب نہیں۔

9۔ اگر عیدالفطر کے دن صدقہ فطر ادا نہیں کر سکا تو بعد میں ادا ئیگی اس کے ذمہ برقرار رہے گی، جب تک کہ وہ اُسے ادا نہ کرے۔

عیدالفطر کے مسائل

رمضان المبارک کے بعد یکم شوال کو شکرانے کے طور پر دو رکعت نمازِ عیدالفطر ادا کرنا واجب ہے، عیدالفطر کے احکام مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ عیدالفطر کے دن درج ذیل کام مسنون ہیں:
(الف) غسل کرنا۔ (ب) مسواک کرنا۔
(ج) عمدہ کپڑے جو میسر ہوں پہننا۔ (د) خوشبو لگانا۔
(ہ) بالوں میں کنگھا وغیرہ کرنا۔

2۔ صبح سویرے اُٹھ کر عیدگاہ جلد پہنچنے کی کوشش کی جائے۔
نمازِ عید کے لیے جانے سے پیش تر کوئی میٹھی چیز کھانا مسنون ہے۔

3۔ عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا چاہیے۔

4۔ عید کی نماز پڑھنے کے لیے ایک راستے سے جائے اور نماز کے بعد دوسرے راستے سے واپس آئے۔ عیدگاہ میں اگر ممکن ہو تو پیدل چل کر جائے۔

5۔ راستے میں یہ تکبیریں آہستہ آہستہ پڑھے:
اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

6۔ نمازِ عید کے لیے جماعت شرط ہے۔ لہٰذا اگر کسی وجہ سے کوئی نمازِ عید کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکا تو وہ تنہا نمازِ عید نہیں پڑھ سکتا۔

7۔ عید کے دن نمازِ عید سے پہلے نمازِ اشراق یا دیگر نوافل پڑھنا مکروہ ہیں۔ عورتوں، مریضوں اور مسافروں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

عیدالفطر کی نماز پڑھنے کا طریقہ

8۔ عیدالفطر کی نماز میں دو رکعت ہوتی ہیں، جن میں چھ تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں۔

9۔ پہلی رکعت میں سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ.... الخ پڑھنے کے بعد ہاتھ چھوڑ کر تین زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ اس کے بعد امام قرأت کرے گا اور رکوع اور سجود کر کے پہلی رکعت مکمل کرے گا۔ اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے ہاتھ چھوڑ کر تین زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ نماز کا بقیہ حصہ حسبِ معمول مکمل کرے۔

10۔ نماز کے بعد امام سنت کے مطابق خطبہ پڑھے گا، یہ خطبہ سننا واجب ہے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔

www.rahimia.org